Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

نسیم حجازی کے ناولوں 'پردیسی درخت' اور 'گمشدہ قافلے' میں رومانوی عناصر

ROMANTIC ELEMENTS IN NASEEM HIJAZI'S NOVELS 'PARDESI DARAKHT' AND 'GUMSHUDA QAFLE'

زاہدہ اقبال[1]

ڈاکٹر منور ہاشمی[2]

Abstract:

The history of Romantic Novel writing in Urdu begins from Abdul Haleem Sharar. This literary branch was revealed by the Historic Novel belonging from "Muslim School of thought". The first and foremost objective in the background of this diction and craft was to make the readers aware with the Heroes of Arab and Non-Arab Muslim's History. This specific Novel diction has been endowed with proper structure and framework by Naseem Hijazi. In this Article authors tried to analyse the two novels of Nasim Hijazi in the aspect of Romanticism and unique way of novel writing.

Keywords: Naseem Hijazi, Romanticism, Urdu Literature, Romantic Novel, Pardesi Darakht, Gumshuda Qafly،

کلیدی الفاظ: نسیم حجازی، رومانوی ناول نگاری، پردیسی درخت، گمشدہ قافلے.

اردو ادب۔ غیر میں کم و بیش ایک ہزار برس مسلمان اقتدار میں رہے۔ بے شک اورنگزیب کے بعد [۱۷۰۷ء] مغل سلطنت کے اقتدار کا دائرہ سمٹنا شروع ہوا تاہم عام مسلمان کو بھی درباروں میں حاضری دیئے بغیر یا سرکار سے فائدہ اٹھائے بغیر یہ احساس رہتا تھا کہ وہ مقتدر قوم کا فرد ہے۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً غیر یا ٹیکس لگایا جاتا مسلمان اُس سے محفوظ تھا۔ اس لیے دورِ زوال میں اُس کے لیے اقتدار کی بازیابی سب سے بڑا خواب تھا اور رومان 74 مسلموں پر جو جزیہ دراصل خواب کو ہی کہتے ہیں، ایک نئی دنیا کا خواب یا پرانی دُنیا کو اپنی من پسند نئی دُنیا میں لا کر اپنی مرضی کی ترتیب دینا یہی سب سے بڑا رومان ہے۔ ہزیمت کو فتح میں تبدیل کرنا، زوال کو عروج بنانا، غروب کو طلوع دکھانا، المناک انجام کو طرب ناک آغاز بنانا رومانوی اسلوب کا کرشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ زوال میں عبدالحلیم شرر (1860-1926) کے وہ ناول بے پناہ مقبول ہوئے جس میں مسلمانوں کی حقیقی یا خیالی یا نیم حقیقی فتوحات کا ذکر تھا یا کافر دوشیزائیں مسلمان ہیرو کی وجاہت اور دلاوری سے مسحور ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہی ہوتی تھیں اور اس پر مسلمان قارئین داد دے رہے ہوتے تھے۔

محمد شریف نسیم حجازی 1914-1996 کو بھی اسی روایت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ وہ شرر کی طرح صحافت سے وابستہ تھے اور اُن کی انشاء پردازی پر برصغیر کے معروف خطیبوں کے اسلوب کے اثرات تھے اور پھر اب وہ ایسے ملک میں موجود تھے جس کے قیام کے ساتھ ہی دُکھ درد، قتل و غارت، ہجرت، پناہ گزینی، ترکِ وطن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے غصے اور عتاب کا انتقام میں تبدیل ہونا اور ایسی آرزو میں ڈھلنا کہ برصغیر کے مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے یا وہ واپس ہندومت کی طرف لوٹ آئیں اور یہ کوشش کہ پاکستان بھی ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ گھٹنوں کے بل گر کر بھارت سے درخواست کرے کہ ہم تقسیمِ ہند کے مطالبے پر شرمسار ہیں، ہمیں معاف کر کے واپس اکھنڈ بھارت میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ اس عالم میں نسیم حجازی کے اسلامی تاریخی ناول بہت مقبول ہوئے اور ظاہر ہے کہ یہ مقبولیت یہاں تاریخی شعور یا سائنسی شعور بننے کے لیے نہیں بلکہ ایک جذباتی خواب دکھانے کے لیے استعمال ہوئی یا مناظر کے ایک رنگین پردے کے لیے۔ یہ اور بات کہ نسیم حجازی نے ہمارے مرثیہ

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نگاروں کی طرح عرب، ترک یا افغان کرداروں کو پاکستانی رسم ورواج، اطوار، اُفتادِ طبع کا حامل بنا دیا۔ اس سے یہ کردار نا صرف یہاں کے قارئین سے مانوس ہو گئے بلکہ ایک عجب سحر میں مبتلا ہو گئے۔

1857ء کے انقلاب کو نئی ادبی تحریکات کے جنم کا انقلاب بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ اسی انقلاب کے نتیجے میں اصلاحی، تہذیبی، معاشرتی، اخلاقی، علمی، ادبی اور فکری مباحث اور مقالات لکھنے کا رواج بڑھنے لگا اور اردو ادب میں ناول، افسانہ، تنقید اور سوانح نگاری جیسی اہم اصناف کے چلن کا یہ بہترین دور ثابت ہوا۔ اسی دور میں عبدالحلیم شرر کا ناول فردوس بریں جس میں جنت کی تصویریں انتہائی مسحور کن کھینچی گئیں اور مولوی نذیر احمد (1830-1912) کے اصلاحی، خاندانی اور معاشرتی طرز زندگی کے بیان سے بھرپور ناول اور ناول نگاروں کا اسلوب بھی نسیم حجازی کے پیش نظر رہا اور یہی اصلاحی، اخلاقی اور سماجی پہلو اور ساتھ ہی ساتھ وہی رومانیت بھی ان کے ناولوں میں مسحور کن انداز میں پائی جاتی ہے۔

نسیم حجازی نے اپنی ناول نگاری کا آغاز افسانے سے کیا مگر اس سے قبل مطالعہ پہ انکی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ اس لیے ان کے ناولوں میں صرف شرر اور نذیر احمد کی ہی چاپ سنائی نہیں دیتی بلکہ ان کے ہاں سر سید احمد خان) 1817-1898)، شبلی نعمانی(1857-1914)، مرزا ہادی رسوا(1857-1931)، الطاف حسین حالی(1837-1914)، محمد حسین آزاد (1830-1910) کے اسلوب اور تصورات حیات کے ساتھ اور مغربی ناول نگاروں خاص طور پر والٹر سکاٹ(1771-1832) کے ناولوں میں تاریخ کی روشنی کو قومی جذبات اور تخیل کے ساتھ جوڑ کر رومان بنانے کی کوشش کا مطالعہ غور و فکر کے ساتھ کیا تھا اور اپنے احساس اور رومان کو وسعت دی تھی۔

نسیم حجازی وہ ناول نگار ہیں جن کی شخصیت کے اثرات ان کے اسلوب اور تحریر میں چھائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تحریر میں سادگی ہے اور روانی ہے۔ وہ بے تکلف اور بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں پھر بھی ان کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ وہ ہر ایک بات ایک ہی لہجے میں کرتے چلے جاتے ہیں مگر ان کے ہاں جمالیاتی حس اور انشا پردازی کے سبب یکسانیت محسوس نہیں ہوتی۔

نسیم حجازی اپنے خیالی مضامین میں انگریزی ادیبوں جیسا رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور اس کو خوبصورتی کے ساتھ نبھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے ناول اردو ادب میں ایک نئے رنگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے مضامین میں جو خیال آفرینیاں در آتی ہیں وہ اردو ناولوں کے جدید رنگ کا آغاز بھی کہا جا سکتا ہے۔ اپنے ناولوں کے لیے نسیم حجازی نے ہمیشہ تاریخی اور افسانوی قسم کے نام چنے جیسا کہ 'اور تلوار ٹوٹ گئی'، 'پردیسی درخت'، 'آخری چٹان'، 'گمشدہ قافلے'، 'شاہین'، 'قافلہ حجاز'، 'قیصر و کسریٰ'، اور 'کلیسا اور آگ' وغیرہ۔

انسان فطری طور پہ داستان کے انداز میں واقعات کو دلچسپی سے سننا پسند کرتا ہے۔ اس لیے نسیم حجازی کے ناولوں میں داستانی قسم کے قصے پائے جاتے ہیں۔ جس کا مطالعہ شروع کر لینے سے قاری کا اختتام سے پہلے اُٹھنا محال ہو جاتا ہے۔ ان داستانوں میں نسیم حجازی کہیں قرون اولی کے قافلوں کو جاہ جلال اور فتح و نصرت کے پرچم اُٹھائے دیکھتا ہے تو کہیں اندلس و بغداد میں شکست خوردہ کارواں کی عظمت و سطوت کا دم ٹوٹتا اپنے قاری کو دکھاتا ہے۔ ان سے پہلے جن مصنفین نے بھی اسلامی تاریخی ناول لکھے ہیں ان تمام ناولوں کے واقعات وقت کے ساتھ ساتھ قاری کے اذہان سے مٹتے چلے گئے مگر نسیم حجازی کے ناولوں میں عشق و محبت کی جو کہانیاں بیان کی گئی ہیں ان کہانیوں میں عشق و محبت کے ساتھ ساتھ جنگ و جدل، تلوار اور نیزہ کی جھلک بھی مسلسل دکھائی دیتی ہے جس سے قارئین کی دلچسپی مزید بڑھ جاتی ہے۔

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نسیم حجازی کی ادبی تحریروں کو یہ اختیار حاصل رہا کہ وہ تاریخ کے بے جان اوراق میں احساس و شعور کی نئی روح پھونک دیتے رہے۔ ان کا شعور ان کے احساسات کا وہ ادراک کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کو عام طور پر مورخ کا قلم تاریخی واقعات میں بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

ان کے ناولوں میں ایک طرف تو جرات، شجاعت اور حسن پرستی کے پوشیدہ اسباق پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف ان کے ناول، ناول برائے ادب ہونے کی بجائے مقصدی ناول ہیں۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ان کے تمام ناولوں میں بنیادی اجزا پوری طرح موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے ناول مسلمان کی عظمت رفتہ کے حصول کی خواہش اور مسلم قوموں کے عروج وزوال کے فلسفے کا اظہار بھی ہیں۔ ان کے ناول ادب اور غیر ادب تمام قارئین کے لیے بے حد توجہ کا مرکز رہے اور ان کی یہ خواہش بھی رہی اسی خواہش کا اظہار اُن کے ناول ' پردیسی درخت ' میں جابجا ہیرو کی زبان سے ادا بھی ہوا:

"جس بھنور میں، میں اپنی قوم کو دیکھ رہا ہوں۔ اس سے نکالنے کے لیے مجھے اگر بھوکا بھی رہنا پڑے اور میرا مقصد پورا ہو جائے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ جب قوم کو اپنی بقا کے خطرات درپیش ہوں تو میں تو اپنے شاندار کیریر کے متعلق نہیں سوچ سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ناول کے متعلق سوچتے ہوئے میں اپنے اندر ایک خود اعتمادی پاتا ہوں۔ شاید آپ کے دل میں یہ خیال آئے کہ میں اپنے خدشات دور کرنے کے لیے یہ باتیں کر رہا ہوں۔" (۱)

نسیم حجازی کی خواہش کے مطابق واقعی ہی ان ناولوں کو ایک سے زیادہ نسلوں نے تسکین مطالعہ کے لیے پڑھا اور خود کو ان ناولوں کے ہیرو کے طور محسوس کیا۔ ان کے تمام ناول اپنے اندر وہ ایک مخصوص قسم کی رومانیت رکھتے ہیں مگر یہاں ان کے دو ناول جو دراصل ایک ہی کہانی کے دو حصے پہلا حصہ "پردیسی درخت، اور دوسرا گمشدہ قافلے" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان دونوں ناولوں میں جو رومانیت ہے یہ دراصل وہ رومانیت ہے جو انیسویں صدی میں دنیا پر اپنا سیاسی اقتدار کھونے کے بعد مسلمانوں میں فطری طور پر پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے یہاں وقت کے ساتھ ساتھ اپنی اس شکست کا احساس جیسے جیسے بڑھتا چلا جا رہا تھا وہیں ان کی رومانیت بھی پروان چڑھتی جا رہی تھی۔ دنیا پر مسلمانوں کا غلبہ و اقتدار، عظمت رفتہ کا حصول، خلافت اسلامیہ کی نشاۃ الثانیہ، اتحاد بین المسلمین، جذبہ جہاد کی پاسداری، کافروں کی سرکوبی، قدیم مسلم ثقافت کا احیا اور فقہی قوانین کا فرد و اجتماع پہ نفاذ یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جو اس رومانیت کا اہم عنصر تھے۔ بیسویں صدی میں مسلمانوں، علماء، دانش ور، صحافی غرض ان کے فکری راہنما سبھی کے سبھی اسی رومانیت کے اسیر اور مبلغ بن چکے تھے اور نسیم حجازی بھی اسی قافلے کے ایک شہسوار تھے جو میدان ادب میں اس کے فکر کے جھنڈا گاڑ دینا چاہتے تھے اور اس مقصد کو کم از کم دو نسلوں تک وہ اپنی فکر پہنچانے میں کامیاب بھی رہے اور ان کی رومانوی فکر کی آبیاری بھی کرتے رہے۔

نسیم حجازی کے ناولوں میں واقعات آہستہ آہستہ ابھرتے چلے آتے ہیں اور نکتہ عروج تک پہنچ جاتے ہیں، لفظوں، فقروں، جملوں کی ترتیب بھی انتہائی موزوں ہوتی ہے اور بعض اوقات گو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جذبات کے سیلاب قاری کو اپنے ساتھ ہی بہا کے لے جائے گا مگر ساتھ ہی ساتھ ان کی تحریروں میں داعیانہ قسم کی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں۔ اس سب کے باوجود تحقیق، سماجی تنقید اور تخلیقی فضا کا دامن ان سے چھوٹتا ہوا کہیں محسوس نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں کرنل غلام سرور لکھتے ہیں:

"نسیم حجازی کے ناولوں میں تحقیقی رنگ ہے، تاریخی صحت ہے، بدلتے ہوئے ادوار پر گہری نگاہ ہے، تنقید کی گہرائی ہے اور تخلیق کی قوت ہے وہ مشرق کے بیتے دنوں کی زندگی کو اپنے ذہن میں دوبارہ مرتب کرنے کی سکت رکھتے ہیں اور ہم عصر تحریکوں سے بھی ان کا گہرا رشتہ ہے۔" (۲)

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نسیم حجازی کے ناولوں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے قاری کے ذہن میں ان مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کیونکہ ان کا محور و ہدف بھی نوجوان نسل ہے اس لیے ان کا پیام بھی نوجوان نسل کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے یوسف طلال علی کے مقالے "نسیم حجازی چند تاثرات" میں لکھا ہے:

"نسیم حجازی کے ناولوں کا محور تو اسلام کا نظام، اقدار اور فضائل ہیں مگر ان کی تحریر میں نئی نسل اور نئی پود کو خصوصی پیغام دیا گیا ہے جس سے ان کے نزدیک نوجوان کی اہمیت کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ تحریریں نہ صرف نوجوانوں کی تفریح ضروریات کو پورا کرتی ہیں بلکہ ان کے اخلاقی، ذہنی، علمی اور روحانی روگوں کا بھی مداوا کرتی ہیں ۔" (۳)

نسیم حجازی کی تحریروں سے مصنف کا مناظر سے لگاؤ صاف نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کے ناولوں میں صحراؤں، پہاڑوں کے مناظر زبردست انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ "نسیم حجازی زندہ ادب کے خالق" میں مقالہ نگار لکھتی ہیں:

"میں اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہوں گی کہ قدرت کے وہ مناظر ہیں جنھیں بار بار دیکھنے سے جی نہیں بھرتا۔ نسیم حجازی نے بھی ادب کی لامحدود وسعتوں میں کچھ ایسے پہاڑ کھڑے کر دیے ہیں کی جن کی دلکشی میں بار بار دیکھنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔" (۴)

کردار نگاری کسی بھی ناول کی اہم خاصیت ہوتی ہے اور نسیم حجازی کے ہاں بھی کردار نگاری غالب نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے ایک مضمون "نسیم حجازی میری نظر میں" میں بلقیس ظفر لکھتی ہیں:

"اسلامی تاریخ کو اپنے مخصوص دل آویز انداز سے لکھنے اور اس کے کرداروں کو مقبول بنانے کا سہرا صرف نسیم حجازی کے سر ہے ان کے کردار ہماری اس دنیا کے جیتے جاگتے انسان ہیں عبدالحلیم شرر کے مافوق الانسان کردار نہیں جن پر جادوگروں کا گماں ہو۔ ہاں ان کرداروں کو جنھیں نسیم حجازی کا قلم ڈھالتا ہے ہم اصلی رنگ میں دیکھتے ہیں وہ لوگ جو غفاری و قہاری، قدوسی و جبروت کے مجسم پیکر تھے اپنے صحیح خدوخال میں آتے ہیں جو حلقہ یاراں میں بریشم کی مانند نرم اور میدان جنگ میں مجسم برق تھے۔" (۵)

"نسیم حجازی کے ناولوں میں موجود واقعات پر مصنف کو ید طولی حاصل رہا ہے۔ اس کے واقعات میں اسلاف اور اسلام سے قلبی و جذباتی وابستگی واضح دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے قلم سے واقعات کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ قاری تاریخ میں کھونے کی بجائے واقعات کی رومانیت میں کھو جاتا ہے۔ یہی رومانیت انکی تحریروں کی خاصیت بھی ہے:۔" میں نے رنگا رنگ پھولوں سے اپنا دامن بھر لیا ہے۔ آج ان پھولوں کو ایک گلدستے کی صورت میں کر رہا ہوں اگر اس گلدستے کو دیکھ کر ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اس وادی کی سیاحت کا شوق اور خزاں رسیدہ چمن کو اس وادی کی طرح سرسبز و شاداب بنانے کی آرزو پیدا ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنی محنت کا پھل مل گیا۔ مسلمانوں کے ماضی کی داستان دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ روشن ہے اگر ہمارے نوجوان غفلت اور جہالت کے پردے اٹھا کر اس روشن زمانے کی معمولی سی جھلک بھی دیکھ سکیں تو مستقبل کیلئے انھیں ایک ایسی شاہراہ عمل نظر آئے گی جو کہکشاں سے زیادہ درخشاں ہے۔" (۶)

ان کے ناول 'پردیسی درخت' کے مطالعہ کرتے ہوئے جابجا جذبات نگاری دکھائی دیتی ہے وہ واقعات میں جذبات نگاری کی اس خوبی سے واقف ہیں جس کے بغیر قاری کے دل کو موم نہیں کیا جا سکتا اس کی چند مثالیں دیکھتے ہیں:

"ماں نے کہا" بیٹا میں نے صرف ایک بچی اور ایک معمر خاتون کے متعلق تمھارے منہ سے جو باتیں سُنی ہیں اُن سے میں جو کم از کم توقع رکھ سکتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اُن کے خاندان کا ہر فرد ایک اچھا انسان ہو گا۔"

"امی جان! جب آپ کسی کو اچھا سمجھیں گی تو میں سوچے سمجھے بغیر اسے اچھا سمجھنے لگ جاؤں گا۔ لیکن اگر آپ نے ابھی سے دادی جان کی طرح سوچنا شروع کر دیا۔ تو مجھے بڑی الجھن ہو گی۔ وقت آنے پر میری ہر بات آپ کی خواہش کے عین مطابق ہو گی۔" (۷)

۱۹۴۶ء کے زمانے میں برصغیر میں تحریک آزادی عروج پر تھی اور دو قومی نظریہ مسلمانوں کے اندر سرایت کر چکا تھا تو نسیم حجازی کے نزدیک آزادی حاصل کرنے کی بجائے آزادی کو بحال رکھنا زیادہ اہم تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے ناولوں میں

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تاریخی حقائق کا سہارا لیا، اشاروں، کنایوں میں اور کہیں کہیں واضح انداز میں اپنے قارئین کو اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کسی طرح ہم اپنے ماضی کی غلطی کو نہ دہرا بیٹھیں کیونکہ انگریزوں کے جانے کے بعد وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے اپنی شناخت برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ "پردیسی درخت" ناول میں اس طرح کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں:

" پنڈت درگا پرشاد نے کہا، چودھری جی! ہمیں ایسے جھگڑوں سے کیا فائدہ۔ ہمیں آپس میں شانتی اور پریم سے رہنا چاہیے۔ یہ دنیا چار دن کا میلہ ہے۔"
یوسف بولا: "اور چار دن کے میلے کی ساری خوشی صرف پنڈت کے لیے ہے یا کسی اور کا بھی حصہ ہے؟"
" پنڈت جی یہ کب کہتے ہیں کہ کسی اور کا حق نہیں!"
" کتنے بھولے ہیں آپ؟ انگریز نے ابھی اپنا بستر لپیٹا نہیں اور آپ اپنا بچھونا ڈالنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔
ہمیں وہ شانتی اور پریم کا سبق دیتے ہیں اور خود انگریز سے خفیہ سودے بازیاں ہو رہی ہیں کہ آپ نہ صرف اپنی سنگینیں ہمارے حوالے کر دیں بلکہ مسلمانوں کو اس طرح کس کے باندھ دیں کہ جب ہم انھیں قتل کرنا چاہیں تو وہ اپنی گردن تک نہ ہلا سکیں۔"
یوسف نے کہا، نیشنلسٹ مسلمان اُس ہندو کانگریس کے چہرے کے نقاب ہیں جس نے سمجھ لیا ہے کہ گوراشاہی کے بعد بنیا اور برہمن شاہی قائم ہو جائے گی۔ نقاب دنیا کو دھوکا دینے کے لیے ہوتا ہے۔ اسے اپنا کام لینے کے بعد اتار کے پھینک دیا جاتا ہے۔" (۸)

اپنے کرداروں کی زبان سے وہ جن جذبات کو ابھارتے ہیں ان سے انکا ایک ہی مقصد مسلمانوں کی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں اور اپنی تاریخ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنا ہوتا ہے جس کی روشنی میں انھوں نے اپنے مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرنا ہوتا ہے۔ دیکھئے ایک مثال ان کے ناول 'گمشدہ قافلے' سے:

"میں صرف ایک بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مستقبل کی زندگی کے تصورات کو اس قدر حسین بنا دیا ہے کہ کبھی کبھی مجھے اپنی خوش نصیبی پہ شبہ ہونے لگتا ہے۔ آپ میری زندگی کی کٹھن راہوں کے کانٹوں کو بھی پھول بنا سکتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود برصغیر کے برہمنی فاشزم کے ہولناک عزائم کے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کی پاکستان کی تعمیر میں ناکامی کے بعد زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، لیکن اگر ایسا وقت آیا تو موت کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے میں نے اس امید پر آپ کا ہاتھ پکڑ رکھا ہو گا کہ آپ مجھے اپنی طرف کھینچ لیں گی۔' نسرین آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بولی۔ 'آپا جان! ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ مجھے یقین ہے پاکستان بن کے رہے گا۔ یہ آج کی بات نہیں، جب میں ناسمجھ تھی اور میں نے پہلی بار پاکستان کے متعلق بھائی جان کی گفتگو سُنی تھی تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے قائداعظم اس مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔" (۹)

نسیم حجازی اپنے ناولوں میں ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ قاری خود بھی ان اس تصویر کی جزئیات میں کھو جاتا ہے۔ ان کے وسیع تخیل میں قاری کے خیالات میں یکسوئی، یک جہتی، اور مناسب نظم وضبط محسوس ہونے لگتا ہے۔

نسیم حجازی کے ناولوں میں اگرچہ ذہن منتشر ہو جاتا ہے تاہم جونہی وہ اظہار خیال کرتا ہے تو اس کے منتشر خیالات میں خود بخود ایک ربط پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

نسیم حجازی کے ناولوں میں ایک بڑی خصوصیت جو نظر آتی ہے وہ انکا اپنے قاری سے خوشگوار موڈ میں اس وقت بات کرنا ہے جب خود اس کا ذہن مکمل طور پہ بیدار ہو جاتا ہے۔ ایک اچھے ناول نگار کی سب سے بڑی خوبی بھی یہی ہے کہ جب وہ تخیل سے کام لے کے تخلیق کرتا چلا جائے اور اس کا بیدار ذہن مسلسل تجسس کا حامل رہے کیونکہ بیدار ذہن آنکھ کو متجسس رکھتا ہے اور متجسس آنکھ تخیل کو پروان چڑھا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں نامور ناقد ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"زندگی کو تبدیل کرنے کا جذبہ تخلیقی دلچسپی کے باعث ہوتا ہے چنانچہ تخلیق کے عام جذبے سے لیکر فطرت کی تسخیر تک سب اس میں شمار ہوتے ہیں۔۔۔ شاعر نے چہرہ محبوب کے لیے چاند کا استعارہ تخلیق کیا اور سائنسدان نے مصنوعی چاند ایجاد کیا، اگرچہ اب دونوں اعمال میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے نتائج کے اعتبار سے بھی اور

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کارکردگی کے لحاظ سے بھی۔لیکن جہاں تک شاعر اور سائنسدان کے ذہنی اعمال کا تعلق ہے دونوں ایک ہی مدار میں نظر آتے ہیں کہ دونوں جذبہ تخلیق سے سرشار ہیں،ایک استعارہ کے حسن سے زندگی کو زیادہ خوبصورت بناتا ہے اور دوسرا ایجاد سے زندگی کو زیادہ مفید بنانا چاہتا ہے۔" (۱۰)

مزید لکھتے ہیں:

"کوئی بھی تخلیق کار ادب پارے کی تخلیق پر جو مسرت حاصل کرتا ہے وہ اس اعتبار سے ذاتی رہتی ہے کہ قارئین تک اس کا ابلاغ ممکن نہیں لہذا اسے تخلیق کار کا انعام سمجھنا چاہیے لیکن قاری جو مسرت حاصل کرتا ہے وہ خیال جتنا بلند ہو گا،اسلوب کی فنکارانہ آمیزش سے جنم والے جمالیاتی تجربہ سے مشروط ہوتی ہے۔خیال جتنا بلند ہو گا،اسلوب جتنا مکمل ہو گا تخلیق بھی اتنی ہی ارفع ہو گی اور اس لحاظ سے حاصل کردہ مسرت بھی اتنی ہی لطیف ہو گی۔" (۱۱)

نسیم حجازی بڑے فنکارانہ انداز میں "گمشدہ قافلے" میں انقلاب کی دعوت اس طرح دیتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں ایک طرف ترقی پسند تخلیق کاروں کے ادب کے وہ تمام عناصر موجود نظر آتے ہیں جن کے ذریعے جبر و تشدد اور استحصالی عناصر کے خلاف مظلوم عوام کو متحد کیا جاتا ہے اور دوسری طرف اسلامی فکر و نظر رکھنے والے داعیوں کے وہ اوصاف بھی ہیں جہاں اسلامی نظام سے بہتر کسی نظام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔اس لیے نسیم حجازی اپنے خیالات کا اظہار کرداروں اور مکالموں اور ان کی تقریروں کے ذریعے کرتے ہیں یہ مکالمہ ملاحظہ ہو:

"میرا گاؤں گورداس پور میں تھا اور میں اپنے گھر سے کانگڑہ کے پہاڑوں کے دلکش مناظر دیکھ سکتے تھا۔انگریز کے اعلانات کے مطابق گورداس پور ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ تھا،لیکن ہندوؤں نے ماؤنٹ بیٹن کو جو لالچ اور ذہنی رشوت دے کر بد دیانتی پر آمادہ کیا،وہ یہ تھی؛کہ اگر ہندوستان کو کشمیر کا راستہ مل جائے تو وہ ایک ڈومین کا درجہ قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔' ہندوؤں کی طرف سے پیغام وی۔پی مینن نے شملہ پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن کو دیا تھا اور وہ سن کر کرسی سے اُچھل پڑا۔۔۔بندر ہمیشہ خوشی کے عالم میں اُچھلتا ہے اور ہندوؤں نے بڑی کامیابی سے اسے بندر بنا لیا تھا۔آپ کو یاد ہو گا کہ ماؤنٹ بیٹن اچانک لندن گیا تھا اور چند دن مشورہ کرنے کے بعد واپس آیا تھا۔۔حضرات۔۔میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت کے ساتھ اس کا یہ مشورہ گورداس پور کو ہندوؤں کی جھولی میں ڈال کر انھیں کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کی کوئی اور دوسری صورت نہ تھی۔" (۱۲)

نسیم حجازی کا اسلوب اس قدر متاثر کن ہے کہ اس دور کی فضا اور اس کے ماحول کی اثر انگیزی نہ صرف برقرار رہتی ہے بلکہ اس کے اندر موجود اس کا حقیقی حسن بھی قائم رکھا جاتا ہے۔جس سے پڑھنے والے کے ذہن میں اس خطے علاقے اور اس کی عمارتوں کی تصاویر صحیح انداز میں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ وہاں کی معاشرت اور وہاں کا ماحول بھی پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے۔اس دور کے زوال پذیر معاشرت اور عالم اسلام کی مٹتی ہوئی شان و شوکت پیش کرتے ہوئے انھوں نے پُر اسراریت کو بھی پیش نظر رکھا اور اپنے قلم کو پاکستان کا پرچم بنا کے آگے بڑھتے رہے۔'گمشدہ قافلے' سے ایک اقتباس اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آج جو قوم تشدد کی تجربہ گاہ میں تیار ہو رہی ہے۔وہ اس دنیا میں بدترین درندگی کا مظاہرہ کرے گی۔گاندھی جی کے چیلوں نے انگریز کے رخصت ہوتے ہی اقتدار پر قابض ہونے کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔اور مسلمانوں کے اندر بغض نام نہاد مفتیانِ دین کو متحدہ قومیت کے مبلغ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ہمیں بہت جلد ایک کڑے امتحان سے گزرنا پڑے گا۔ایک مصنف کی حیثیت سے میری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ میں انھیں ماضی کی روح پرور داستانیں سناؤں اور ان کے دل سے موت کا خوف دور کرنے کے لیے شہادت کی تمنا پیدا کروں۔اس لیے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں میں جہاں ہوں گا جس حال میں ہوں گا،روزانہ چند صفحات ضرور لکھا کروں گا۔" (۱۳)

نسیم حجازی کے ناول "گمشدہ قافلے" میں دو قومی نظریہ سے قبل ہندو مسلم کا آپس میں مل جل کے رہنے کی جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ بہت دل چسپ ہے۔سفر ہو یا حضر سب مل کے رہنے کے عادی رہے۔اسی تصویر کا ایک اقتباس ذیل میں:

"تھوڑی دیر کے بعد یوسف موٹر چلا رہا تھا اور عبدالعزیز اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔پچھلی سیٹ پر بلقیس،اجیت کور،بہادر سنگھ کی ماں اور بہن بیٹھی ہوئی تھیں۔بلقیس نے ایک بار پھر اجیت کے مستقبل کا قصہ چھیڑ دیا اور بہادر سنگھ کی ماں نے کہا۔'بہن مجھے معلوم ہے نہیں کہ دنیا کو یہ بات کیسی لگے گی۔لیکن آپ کو،وہ سب

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

لوگ جو تھوڑی بہت عقل رکھتے ہیں۔ یہی کہیں گے کہ اس بات میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔' بہادر سنگھ کی ماں بولی۔ بی بی جی، یوسف، اجیتو کا منہ بولا بھائی ہے اور بہادر سنگھ کا بہترین دوست سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے یوسف جو فیصلہ کرے گا وہ غلط نہیں ہوگا۔ جب اجیتو کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے رخصت کرے گا تو کسی کو اس کی چیخیں سنائی نہیں دیں گی۔" (۱۴)

نسیم حجازی کی منظر کشی میں ذوقِ جمال کی تسکین کے لیے بلند و بالا اور پُر شکوہ عمارات کے نقشے کھینچے گئے ہیں۔ سمندروں، پہاڑوں، درختوں اور سبزہ زاروں کی جو تصویر کشی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر سے پر رونق چمک دمک والی شہری زندگی اور پُر شکوہ عمارات کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں کی خوبصورتی بھی پوشیدہ نہیں رہی صرف یہی نہیں بلکہ پردیس سے آنے والے پرندوں کی اڑان اور اداسی سے بھرے دنوں کا ذکر بھی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ان اداس پرندوں اور درختوں کے واقعات سے وہ لوگوں تک اپنا اہم پیام پہنچانا چاہتے ہیں کہ شہروں میں دین فراموش لوگوں کا غلبہ رہا کیونکہ دولت کی فراوانی کے باعث وہ دین سے دوری اختیار کر گئے جب کہ دیہاتوں میں مذہب پرستی اور روایت کا رجحان ابھی بھی موجود ہے یہ لوگ اپنی روایات سے انحراف کرنے کو تیار نہیں، اس لیے حجازی نے اس ماحول کو پورے دیہی ماحول کی منظر کشی سے اپنے ناول "پردیسی درخت" میں سمو دیا ہے:

" گاؤں کے جنوب مشرق میں جھیل سے آگے بڑے بڑے درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیتا تھا۔ لوگ اس جھنڈ کے درختوں کو پردیسی درخت کہتے تھے۔ ان پردیسی درختوں کے متعلق میری طرح گاؤں کے ہر بچے نے یہی کہانی سن رکھی تھی کہ رات کے پچھلے پہر ایک عورت اپنی چکی سے آٹا پیس رہی تھی اچانک اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا اور صبح کے دھندلکے میں اسے بڑے بڑے درخت شمال مشرق سے جنوب کی طرف بھاگتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ باہر نکل کے دہائی دینے لگی 'لوگو باہر نکل کے دیکھو درخت بھاگ رہے ہیں۔ بہت بڑے بڑے درخت بھاگ رہے ہیں۔ انھیں روکو ورنہ چھوٹے درخت بھی ان کے پیچھے چل پڑے گے تو گاؤں اجڑ جائے گا۔ درختوں نے اس کی چیخ پکار سنی تو جس جس جگہ پہنچے تھے وہیں رُک گئے۔ اور اُسی دن سے اُن درختوں کو پردیسی درخت کہا جانے لگا۔" (۱۵)

" گاؤں کے گرد پھلدار درختوں کے باغوں کے علاوہ کئی دوسرے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ جن پر مختلف اقسام کے پرندوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ بعض پرندے خاص خاص موسموں میں آیا کرتے تھے اور پھر موسم کی تبدیلی کے ساتھ فصل کے کھیتوں اور درختوں میں غائب ہو جاتے تھے۔ اُن کی آمد اور واپسی کے ایام میں اُن کے غول بڑی بڑی توجہ سے دیکھے جاتے تھے۔" (۱۶)

نسیم حجازی کے ان رومانوی ناولوں میں ظاہری بات ہے کہ رومانوی کردار بہت زیادہ ہیں جو براہ راست ہیرو اور قصے کی مرکزیت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود انھوں نے ایسے رومان کو اپنی تحریروں پر غالب نہیں آنے دیا جس میں کھو کر کردار اپنا اخلاقی اور اقداری مقصد بھول جائیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے مکالموں میں مقصد کو ہر شے پر فوقیت حاصل رہی ہے۔ خیر و شر کا تصادم ہو، تجسس و تفکر ہو، رنج و آنسو ہو، خوشی اور قہقہے ہوں، عشق و محبت ہو انھوں نے اپنے کرداروں کو کسی صورت بھی بہکنے نہیں دیا بلکہ ان کے افکار و خیالات، جذبات، احساسات کو اس طرح پیش کیا کہ اس سے ان کے اوصاف عیاں ہو جاتے ہیں۔

نسیم حجازی نے نسوانی کرداروں کو بھی اپنے دونوں ناولوں میں ['پردیسی درخت' اور 'گمشدہ قافلے'] میں بہت اہمیت دی ہے۔ انھوں نے نسوانی احساسات اور ان کے ذہنی اضطراب کو پوری طرح بیان کیا ہے ان کے نسوانی کردار مثالیت پسند کردار ہیں جن میں راست بازی حق گوئی سنجیدگی اور پاکبازی پائی جاتی ہے اس سب کے باوجود اُن کے یہ کردار نہ تو حقیقت سے کٹے ہوئے ہیں اور نہ ہی اُن میں کوئی غیر اخلاقی بات پائی جاتی۔ 'گمشدہ قافلے' سے اک مثال دیکھئے:

" چار دن بعد پانچ کاروں کا قافلہ کشادہ سڑک سے ایک موڑ کے قریب رکا۔ یوسف کے گاؤں کا ایک سوار جو سڑک کے کنارے سے چند قدم دور کھڑا تھا۔ موسم کے لحاظ بہت گرد اڑنے کے اندیشہ تھا، لیکن تھوڑی دیر معمولی سی بارش سے گرد بیٹھ چکی تھی اور مٹی سے بھینی بھینی مہک اٹھ رہی تھی۔ کار کی پچھلی سیٹ سے فہمیدہ نے نسرین کے کان میں کہا، نسرین! سچ بتاؤ تمھیں بھی زمین کی مہک محسوس ہو رہی ہے؟' آپا جی! میں تو یہ مہک پکی سڑک سے اترتے ہی محسوس کرنا شروع کر دی

Vol.3 No.1 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تھی۔ امی جان! آپ بھی محسوس کر رہی ہیں نا!؟ ہاں بیٹی! میں بھی محسوس کر رہی ہوں' نصیر الدین بولا۔ بیٹا! گرمیوں کی پہلی بارش میں تو یہ مٹی بہت مہکتی ہو گی۔" (۱۷)

نسیم حجازی کے ان دونوں ناولوں میں ان کے بیان کردہ مناظر ان کے قلم کی صلاحیت تکنیک اسلوب پر ان کی دسترس اور خیالات کی یکجائی کا مظہر ہیں۔ یہ نقشے کسی فلم کے مناظر معلوم ہوتے ہیں۔ جس سے ان کے تخیل کا رومان ابھر کر سامنے آتا ہے، اس تخیلی رومان میں بھی وہ تاریخ کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسی تاریخ کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں جس کو وہ اپنے ماضی کی ایک کہانی تصور کرتے ہیں اور اسی کہانی کو زمانہ حال کے ساتھ جوڑتے چلے جاتے ہیں۔ یہ کہانی ہی دراصل ان کا تخیلی رومان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت (لاہور: جہانگیر بکس، سن ندارد) ، ص ۴۷۔

۲۔ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد، ۱۰ جولائی ۲۰۰۳ء۔

۳۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۹۰ء، اکادمی ادبیات اسلام آباد کی تقریب میں پڑھا گیا مقالہ۔

۴۔ راجا تصدق حسین، ڈاکٹر، نسیم حجازی ایک مطالعہ (لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۴۳:۲۴۲۔

۵۔ ایضاً، ص ۱۵۱۔

۶۔ نسیم حجازی، داستان مجاہد (لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۴۳ء)، ص ۲۷۰۔

۷۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، ص ۲۲۷۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۱۔

۹۔ نسیم حجازی، گمشدہ قافلے (لاہور: جہانگیر بکس، ۱۹۷۴ء) ، ص ۳۷۴۔

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، انشائیہ کی بنیاد (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، سن ندارد)، ص ۲۸۴۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۰۹۔

۱۲۔ نسیم حجازی، گمشدہ قافلے، ص ۵۵۵ ۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۸۴ ۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۴۲ ۔

۱۵۔ نسیم حجازی، پردیسی درخت، ص ۲۳۶:۲۳۷۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۸۵۔

۱۷۔ نسیم حجازی، گمشدہ قافلے، ص ۳۳۴ ۔